ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال کی تلقینِ "یقین"

کلام اقبال کا مطالعہ مظہر ہے کہ انہوں نے اپنے متعدد اشعار میں مخاطبین کو، جن میں مسلمان بالضرور شامل ہیں "یقین" حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ بادی النظر میں یہ بات کتنی ہی عجیب لگے، مگر اقبال چونکہ مسلمانوں کو مومنانِ واقعی دیکھنے کے آرزومند تھے، اس خاطر وہ انہیں "ایمان" اور "یقین" پر جمے رہنے کی نصیحت فرماتے رہے۔ قرآن مجید میں اہلِ ایمان کو ایک بار پھر ایمان، لانے کی تاکید فرمائی گئی[1] جس کی توجیہات و توضیحات کتب تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اہلِ ایمان کو پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے کی کی انذار ملی[2]۔ اعراب نے اسلام لا کر جھٹ حاملِ ایمان ہونے کا دعویٰ کر لیا تھا۔ فرمانِ باری[3] صادر ہوا کہ یہ لوگ ابھی اسلام لائے، اور انہیں جاننا چاہیئے کہ ایمان ہنوز ان کے دل میں راسخ نہیں ہوا۔ بہر طور اقبال اگر مسلمانوں کو "ایمان و یقین" کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کریں یا قائدِ اعظم محمد علی جناح انہیں "اتحاد، ایمان اور تنظیم" کا درس دیں، تو جائے تعجب نہیں! مرورِ ایام سے اکثر لوگ اپنے فرائض بھول جاتے ہیں اور ان فرائض کے فرائض ہونے کا اعتقاد باقی رہ جاتا ہے۔ اقبال اس اعتقاد کو عقیدہ و عمل بنانے کی خاطر "یقین" کا درس دیتے رہے تاکہ پورانِ خلیلؑ، ابراہیمی کریں نہ کہ آذری ؎

چہ گویمت ز مسلمانے، نا مسلمانے
جز اینکہ پورِ خلیلؑ است و آذری داند

مومنوں کو چونکہ، ان کے دعویٰ کے صدق کی صورت میں، غلبہ و کامیابی کی بشارت[4] دی گئی تھی، اس

---

[1] النساء ۱۳۶　　[2] البقرہ ۲۰۸
[3] الحجرات ۱۴　　[4] آل عمران ۱۳۹

خاطر اقبال نے صاحبانِ ایمان ویقین اور اس نعمت سے بے نیازی برتنے اور کفران کرنے والوں کو کئی جگہ ممیز کیا ہے۔ مثلاً بالِ جبریل کی ایک غزل میں مسلمان اور مسلمانِ کافر نعمت کا موازنہ یوں ملتا ہے ؎

کافر ہے مسلماں تو شاہی نہ امیری — مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلمان !
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی !!

ایمان کا مادہ امن ہے اور یقین کا یقن۔ مؤخر الذکر لفظ کے مقابلے میں مقدم الذکر قرآن مجید میں کئی گنا زیادہ استعمال ہوا اور اگرچہ دونوں لفظوں میں لغوی بُعد محسوب ہوتا ہے، مگر معنوی قربت میں کلام نہیں بلکہ بعض موارد میں یہ دونوں الفاظ مرادف بن جاتے ہیں۔ اقبال کے ہاں ان الفاظ کی معنوی قربت مستحسن صورت میں موجود ملتی ہے۔ صوفیہ حضرات نے یقین کی سہ گانہ صورتوں — علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین — کے بارے میں طویل بحثیں کی ہیں۔ ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) نے اپنی مختصر تالیف "اصطلاح الصوفیہ" میں لکھا ہے:

علم الیقین ما اعطاہ الدلیل۔ عین الیقین ما اعطتہ المشاہدہ والکشف۔ حق الیقین ماحصل من العلم بما ارید لہ ذلک المشہود"۔[1] یہ تینوں مرکب الفاظ قرآن مجید میں بھی وارد ہوئے ہیں۔[2] بعض آیات میں "یقین" موت کے معنی میں استعمال ہوا[3] کیونکہ اس امر کا انعقاد شک وریب سے بالاتر ہے۔ اقبال نے "یقین" کا درس دیا۔ انہیں اس لفظ کی فروع واقسام سے واسطہ نہیں مگر ان کی تلقین کو معنوی وسعت، مذکورہ اقسام کو محیط نظر آتی ہے۔

یقین، شک وتذبذب (یا ان کے مرادف دیگر الفاظ) کی ضد ہے۔ اقبال اپنے نظریہ "خودی" کے مطابق شک وگماں کے قامع اور یقین کے مدرس واقع ہوئے ہیں۔[4] وہ کبھی توحید ورسالت کی اساسات کے ذریعے، بایقین بننے کا درس دیتے ہیں، اپنی بے یقینی کے تلازمے میں عصرِ حاضر کے اکثر بے یقینوں کو اپنے

---

[1] نشریہ معارف اسلامی تہران شمارہ ۸ صفحہ ۷۹۔ [2] سورۃ الواقعہ، الحاقہ اور التکاثر

[3] الحجر ۹۹، المدثر ۴۷، ۴۷ نیز لقمان ۳۱ بمعنی "آخرت وقیامت"۔

[4] یقین پیدا کر اے ناداں، یقیں سے ہاتھ آتی ہے — وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (بالِ جبریل)

گریبان میں جھانکنے کا اشارہ کرتے ہیں، بے یقینی و تذبذب کی مذمت کے پردے میں ایمان و یقین کی برکات بیان فرماتے ہیں با یقین بننے کی دعا کرتے نظر آتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کا بیان ہر موقع پر مناسب تر ہے اور مؤثر تر مثلاً ؎

چو خس از موج ہر بادی کہ می آید زجا رفتم — دل من از گمانہا در خروش آمد یقینی دہ
ایں دل کہ مرا دادی لبریز یقیں بادا — ایں جام جہاں بینم، روشن تر ازیں بادا
یقینِ مومنی دارد، گمانِ کافری دارد — چہ تدبیر اے مسلمانان کہ کارم با دل افتاد است
کافر، دلِ آوارہ دگر بارہ باد بند — بر خویش گشا دیدہ و از غیر فرو بند
دیدن دگر آموز و ندیدن دگر آموز

ناموس ازل را تو امینی تو امینی — دارای جہان را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہبائے یقین درکش و از دیر گمان خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز[1]

در مسلمانان مجو آن ذوق و شوق — آن یقین، آن رنگ و بو، آن ذوق و شوق
عالمان از علم قرآن بی نیاز — صوفیان درندہ گرگ و مُو دراز
گرچہ اندر خانقاهان هائی و هُوست — کو جوانمردے کہ صہبا در کدوست[2]

یقین مثل خلیلؑ آتش نشینی — یقین اللہ مستی، خود گزینی
سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار — غلامی سے بتر ہے بے یقینی![3]

---

[1] زبورِ عجم
[2] جاوید نامہ
[3] بال جبریل

گرچہ می آید صدائے لا الٰہ — آنچہ از دل رفت، کی ماند بہ لب
از چراغِ مصطفیٰ اندیشہ چیست؟ — زانکہ او را پف زند صد بولہب
ای خدایانِ کہن، وقت است وقت[۱]

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں[۲]

علامہ مرحوم نے متعدد بار یہ عقدہ کشائی فرمائی کہ علم و تحقیق کے میدان میں شک رکھنا اور رہے اور عمل کی خاطر اور۔ پہلا مفید ہے اور دوسرا فرد و معاشرہ دونوں کی خاطر مضر۔ اپنی انگریزی تالیف "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے مقدمہ میں اقبال نے نت نئی تحقیقات کیلئے مشکوکانہ نگاہ رکھنے کی تلقین کی ہے مگر عمل کی خاطر پورے شد و مد کے ساتھ سراپا یقین و ایقان بننا ضروری ہے۔ "عمل" شک و گمان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اقبال کے مندرجہ ذیل دو بیتی کس قدر بصیرت آگیں ہے مگر افسوس کہ آج کل ترقی یافتہ اقوام ہی اس انداز پر کاربند نظر آتی ہیں ؎

ہمای علم تا افتد بدامت — یقین کم کن، گرفتار شکے باش
عمل خواہی؟ یقین را پختہ تر کن — یکے جوی و یکے بین و یکے باش[۳]

نظم "طلوعِ اسلام"

بانگ درا کی طویل نظموں میں "خضر راہ" اور "طلوعِ اسلام" خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کے ایک شمارے میں (۱۹۲۲ء) اول الذکر نظم کی شرح لکھنے کی ضرورت کا لکھا تھا۔ ہمارے نزدیک دوسری ذیل نظم بھی اسی شان کی مستحق ہے۔ اس کا سیاق تالیف ترکانِ عثمانی کی بیداری کے علائم تھے۔ ترکوں کو ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۹ء میں مبتلائے آلام رہنا پڑا۔ ریاست ہائے بلقان اور بعد میں بعض عرب ممالک کی سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدگی اور جنگِ عظیم اول میں

۱:۲:۳ے بالِ جبریل اور ارمغانِ حجاز کے اشعار۔

ترکوں کی اضطراری شرکت! جنگ کے بعد فاتح اتحادی ترکی کے حصے بخرے کر دیتے مگر مصطفےٰ کمال پاشا اتا ترک کے "ایمان ویقین" کی برکت سے "یورپ کا مرد بیمار" قوی وصحت مند ہوا۔ اس ملک میں خلافت کا انحلال کر دیا گیا، مخالفین کو نیچا دکھایا گیا اور ترقی و پیشرفت کی راہ پر چلا جانے لگا۔ اقبال کی اس نظم کے کئی اشعار اسی سیاق کو یاد دلاتے ہیں جیسے ؎

وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے　　نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے　　کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں　　کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی
حرم رسوا ہوا "پیرِ حرم" کی کم نگاہی سے　　جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں　　اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی　　زمیں جولانگہ اطلس قبایانِ تتاری ہے۔

"بیا پیدا خریدار است جانِ ناتوانے را
پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانی را" (نظیری)[۱]

علامہ نے "تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ" میں ترکوں کی اجتہادی کوششوں کی تعریف کی مگر بعض بے اعتدالیوں پر گرفت بھی فرمائی۔ ترکوں کی بعد کی افرنگ مآبی کے بھی وہ ناقد بنے مثلاً ؎

ترک از خود رفتہ و مستِ فرنگ　　زہرِ نوشین خوردہ از دستِ فرنگ
ترک را آئینِ نو در چنگ نیست　　تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

لادینی و لاطینی کس پیچ میں اُلجھا تو　　دارو ہے ضعیفوں کا "لا غالب الا ہو"

مگر زیرِ بحث نظم میں انہوں نے ترکوں کے مقصد "یقین" کی توصیف فرمائی۔ اقبال کی تلقینِ یقین سمجھنے کی خاطر اس نظم کے بعض ایسے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں خودی و بیخودی[۲] (فرد اور معاشرہ) کے استغاضہ

---

[۱] پیامِ مشرق کے ایک قطعہ "خطاب بہ مصطفیٰ کمال" میں نظیری کا ہی شعر تصنیف شدہ ملتا ہے۔

[۲] یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے　　یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے۔

کی خاطر "قوائے یقین" سے استشہاد کیا گیا ہے ؎

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام، دُنیا کی امامت کا

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی[1]

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامینؑ پیدا

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ "یقیں" پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں، یہ مردوں کی شمشیریں

جیسا کہ اشعار فوق اور ما قبل سے ظاہر ہے، اقبال بے یقینی کو غلامی سے بدتر جانتے[2] اور "بے یقین" اور "بدگماں" افراد کو "انگارہ" (نقشِ ناتمام اور کندۂ ناتراشیدہ) گردانتے رہے۔ وجہ ظاہر ہے، مقاصدِ حیات سے "سرگرداں اور" کافر بخود و مومن بغیر"[3] افراد کئی انواع کی غلامی میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ گفتار، کردار اور فکر کی آزادی سے عملاً بے بہرہ رہتے ہیں۔ ایسے افراد سے اقبال کی بیزاری، غلامی و اسارت سے ان کے بیانِ بیزاری میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثنوی بندگی نامہ میں فرمایا ؎

مشورہ بُوم از نیش کژدم خار خار
مُور او اژ در گز و عقرب شکار

صرصرِ او آتشِ دوزخ نژاد
زورقِ ابلیس را بادِ مراد

آتشی اندر ہوا غلطیدہ
شعلہ در شعلۂ پیچیدہ

آتشی از دود پیچاں تلخ پوش
آتشی تندر غو و دریا خروش

در کنارش مارہا اندر ستیز
مارہا با کفچہ ہائے زہر ریز

---

[1] بالِ جبریل میں ہے ؎ نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

[2] قرآن مجید میں "بدگمانی اور بدظنی" گناہ قرار دی گئی ہے۔

[3] پس چہ باید کرد میں ہے ؎

اے اسیرِ رنگ، پاک از رنگ شو
مومنِ خود، کافرِ افرنگ شو

دین او عہد وفا بستن بغیر
یعنی از خشتِ حرم تعمیرِ دیر

شعلہ اش گیرندہ چون کلبِ عقور | ہولناک وزندہ سوز و مردہ نور
در چنین دشتِ بلا صد روزگار | خوشتر از محکومی یک دم شمار

مثنوی میں آپ غلاموں کے عناصرِ ترکیبی افتراق و بے نظمی، فنونِ لطیفہ میں دوسروں کی نقالی اور مقاصدِ حیات سے بے بہرگی بتاتے ہیں۔ ان امراض کا علاج، رجوع الی الایمان والیقین ہے اور بس ؎

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو | لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحبِ یقیں [1]

اقبال کو القائے خودی کے مسئلے سے بغایت دلچسپی رہی اور ان کے افکار کے بعض عقدوں کو جناب چودھری مظفر حسین صاحب دو ماہی "اسلامی تعلیم" میں "خودی اور آخرت" کے زیرِ عنوان فاضلانہ انداز میں حل کر رہے ہیں۔ یہاں بر سبیل اشارہ عرض کر دیا کہ علامہ نے "یقین کو القائے خودی اور ارتقائے شخصیت کا ممد بھی بتایا ہے جیسے ؎

بیروں قدم نہ از دورِ آفاق | تو پیش ازینی، تو بیش ازینی
از مرگ ترسی اے زندہ جاوید؟ | مرگ است صیدی، تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند | آدم بمیرد از "بے یقینی" [2]

"بے یقینی" سے نجات مل جائے، تو افنائے الفو تعلیق بالمحال ہے کہ ؎

چنان بزی کہ اگر مرگِ ماست مرگِ دوام | خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد [3]

خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم قائدِ اعظم اور اقبال کے درس "یقین کو پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔ قوم نے یقینی نظریات پر لبیک کہہ کر ایک خطہ زمین حاصل کیا تھا اور اب اس کے تحفظ کی خاطر بھی فکر و عمل کے "یقینِ محکم" کی ضرورت ہے ؎

مدعا گردد اگر مہمیز ما | ہمچو صرصر می رود شبدیز ما
مدعا راز بقائے زندگی | جمع سیماب قوای زندگی
دست و پائے قوم را جنباند او | یک نظر صد چشم را گرداند او
گر بقدر یک نفس غافل شدی | دور صد فرسنگ از منزل شدی
لذت ایمان فزاید در عمل | مردہ آن ایمان کہ ناید در عمل [4]

---

[1] ضربِ کلیم، [2][3] زبورِ عجم، [4] مثنوی اسرار و رموز (رموزِ بیخودی)